منشاء کو پاکر عمل کرنا، اسے معرفت کی یا عرفانی زندگی کہتے ہیں، مگر اسی عرفانی زندگی کا مادہ بھی وہی ہے جو حیوانی زندگی کا تھا وہی کھانا پینا رہنا سہنا وہی سب کچھ اب منشاء خداوندی حاکم بن گئی —— تو حیوانی زندگی میں طبیعت حاکم ہوتی ہے، جو ایک جاہل بادشاہ ہے، جس کے تحت آدمی جانوروں کی طرح کھاتا پیتا ہے۔ انسانی زندگی آتی ہے تو عقل حاکم ہو جاتی ہے، اور عقل میں شعور ہوتا ہے۔ تو ذرا سوچ سمجھ کے کھاتا ہے۔ ایمانی زندگی آتی ہے تو وحی کی رہنمائی ہوتی ہے تو عفت اور پاکدامنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور عرفانی زندگی جب آجاتی ہے تو منشاء الٰہی حکومت کرتی ہے انسان کے اوپر —— اس وقت انسان کی زندگی نہایت بلند و بالا ہوتی ہے جیسا کہ انبیاء اولیاء کاملین اور علماء ربانین کی زندگی جس کے اندر دنیا ساری موجود ہے مگر حظ نفس کا کوئی گند نہیں، نفسانیت کا کوئی شائبہ نہیں۔ للہیت کے جذبات کام کرتے ہیں۔ عداوت اور دوستی سب کچھ اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ نفسانی جذبات سے کچھ نہیں ہوتا۔

حدیث میں ہے:

من اعطیٰ للّٰہ ومنع للّٰہ واحبّ للّٰہ والبغض للّٰہ فقد استکمل الایمان۔	جس نے محبت کی تو اللہ کے لئے۔ عداوت باندھی تو اللہ کے لئے۔ کسی کو دیا تو اللہ کے لئے۔ ہاتھ روکا تو اللہ کیلئے۔ تو اس نے اپنے ایمان کو کامل کر دیا۔

صحابہؓ نے محض منشاء خداوندی اور اسکی رضا حاصل کرنے کیلئے، گھر بار لٹا دیا۔ ساری چیزیں وقف کیں وہ قانونِ شریعت سے آگے ہو کر۔ ورنہ حق تو صدقات واجبہ ادا کرنے سے بھی ادا ہو جاتا —— تو گویا عرفانی زندگی بسر کرنے والا گویا اللہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے، اسے دیکھتا ہے اسے عرفانی زندگی بھی کہیں گے احسانی بھی۔

ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔	اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا یہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اس مقام تک نہ پہنچ سکو تو کم از کم یہ کہ اللہ تو دیکھ رہا ہے۔

یہ ہے اکمل زندگی ——

وجدانی زندگی | اور جب اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ گویا تمام اعمال محبوب کو دیکھ کر کر رہا ہے تو اب یہ نہیں ہو سکتا کہ صرف دیکھنے پر قناعت کرے، بلکہ چاہتا ہے کہ محبوب کو دیکھوں بلکہ معانقہ کروں گلے لگوں، تو ایک وقت یہ بھی آتا ہے کہ اس معرفت والا انسان کے بعد گویا چاہتا ہے کہ معانقہ کروں

مل لوں، حق تعالیٰ سے۔ اور فرمایا گیا حدیث میں:

لایزال یتقرب عبدی بالنوافل حتیٰ کنت سمعہٗ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بھا۔ ...	بندہ نوافل پڑھتے پڑھتے مجھ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں۔

ظاہری اعضاء اس کے ہوتے ہیں قوتیں میری کام کرتی ہیں۔ یہ گویا وہ مقام ہے کہ گویا اپنے نفس کو مٹا کر ختم کر دیا اور سامنے کر دیا اللہ تعالیٰ کے۔ اور حق تعالیٰ کی ذات اور تجلیات کے اندر غرق ہو گیا۔ لایزال یتقرب عبدی۔ الخ جس کو یوں کہنا چاہیئے جو کسی شاعر نے کہا ہے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگرے

تو میری جان بن گیا کہ سرایت کئے ہے تو میرے اندر، تو میں بن گیا اور میں تو، وحدت پیدا ہو گئی تاکہ کہنے والا یہ نہ کہے کہ میں کوئی اور ہوں اور تو کوئی اور، اس زندگی کو ہم کہیں گے وحدانی زندگی۔ کہ وحدت پیدا ہو گئی۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ بندہ خدا میں غرق ہو کر اس کا جز بن گیا۔ اللہ تعالیٰ جزئیت سے پاک ہے بلکہ مطلب یہ ہو گا کہ اس نے اپنے نفسانی شہوات کو ختم کر کے جذبات پیدا کر دیئے مناسبت مع اللہ کے کہ جو وہ کرتا ہے میں بھی کروں گا، وہ جو چاہے گا میں بھی چاہوں گا۔

کسی بزرگ سے پوچھا تھا کسی نے کہ کیا حال ہے تو کہا کیا حال اس شخص کا ہو سکتا ہے کہ جس کی مرضی پہ دونوں جہان کے کارخانے چلتے ہوں تو پوچھنے والے نے کہا اچھا آپ اس درجہ کے ہیں کہا ہاں الحمدللہ میں تو اس مقام پہ ہوں، کہا آخر کس طرح کہا اس طرح کہ دونوں جہان کے کارخانے چلتے ہیں اللہ کی مرضی پہ اور میں نے اپنی مرضی کو فنا کر دیا ہے اللہ کی مرضی میں جو وہ چاہتا ہے وہ میں چاہتا ہوں، اگر کوئی پیدا ہوتا ہے تو کہتا ہوں کہ الحمدللہ یہی بہتر تھا، اگر کوئی مرتا ہے تو الحمدللہ یہی مناسب تھا، میں کون ہوں اللہ کے خلاف رائے دینے والا کہ وہ تو مارے میں کہوں یہ زندہ رہے تو سارا عالم میری مرضی پہ چلنے لگا۔

شاہ دولہؒ انبالہ ضلع کے ایک بزرگ گذرے ہیں، سائیں توکل شاہ کے سلسلہ میں تھے، گاؤں میں بارش جو ہوتی جو ... کے کنارے گاؤں تھا، جمنا چڑھ گئی، طوفان آیا، ایک دیوار تھی جس کی وجہ

سے پانی کچھ رکا ہوا تھا۔ اگر وہ دیوار نہ ہوتی تو سارا گاؤں غرق ہوجاتا لوگ بیچارے پریشان ہوکر شاہ دولہ کی خدمت میں آئے کہ حضرت اللہ کے واسطے دعا کریں، طوفان سے گاؤں غرق ہو رہا ہے، فرمایا اچھا طوفان آگیا چلو، پھاوڑا لیکر چلے، مجمع گاؤں والوں کا ساتھ تھا۔ تو جو دیوار تھی شاہ دولہ نے وہ دیوار ڈھانا شروع کردی، اب تو لوگ چلانے لگے کہ حضرت سارا گاؤں غرق ہوگا۔ فرمایا: جدھر مولی اُدھر شاہ دولہ۔ میں خدا سے مقابلہ کرنے آسکتا ہوں۔؟ تو یہ مقام جب نصیب ہوتا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اللہ کی رضا میں فنا کردے۔ وما تشاؤن الّا ان یشاء اللہ رب العالمین۔ بس جو اللہ چاہتا ہے وہی تم بھی چاہو اس کے خلاف چاہ نہیں سکتے جس کو وہ مرضی اور پسندیدہ قرار دیں ہم بھی اُسے پسندیدہ قرار دیں تو کہا جائے گا کہ یہ شخص فنائیت کے مقام پر پہنچ گیا۔ فانی فی اللہ ہوگیا، یہ نہیں کہ ایک جزو بن گیا۔ یہ تو جزئیت اور بعضیت آگئی اللہ کی ذات اس سے پاک ہے، فنائیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس کے تقاضوں کو ختم کردے، خدا کی مشیئت میں اپنے آپ کو غرق کردے کہ جو ان کا منشاء وہ میرا منشاء۔ جدھر مولی ادھر شاہ دولہ۔ اس کو ہم کہیں گے دعدانی زندگی اور یہاں بھی وہی مادہ ہے زندگی کا وہی کھانا پینا۔ چلنا پھرنا۔ اوڑھنا پہننا، لیکن وہ اس درجہ پر آگیا کہ قانون سے بالاتر ہوکر محض منشاء کی پابندی میں غرق اور اسکی مرضی کے اندر فانی ہوجاتا ہے، اسی موقعہ پر فرمایا گیا ہے نبی کریم علیہ السلام کے لئے : ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی۔ غزوہ بدر کے اندر آپ نے کنکریاں پھینک کر ماریں، تو جس کے دماغ پر کنکر پڑی وہ دماغ تو گیا پورے بدن کو قلب و جگر کو پھاڑ کر رکھ دیتی اور سارے بدن سے پار ہوکر گذرتی ـــــ تو کنکری میں اتنی طاقت تو نہیں ہوتی لیکن نبی کے اندر جذباتِ حق موجود ہیں، انکی طاقت سے یہ اثر پیدا ہوتا ہے۔ نبی آلہ کار ہوتا ہے اور خدائی قوتیں ان کے اندر کارفرما ہوتی ہیں۔ اسی کو فرمایا قرآن میں ـــــــــــــــ

ومارمیت الآیۃ۔ وہ تو اللہ میاں مار رہا تھا۔ اور جیسے فرمایا گیا: وما ینطق عن الھوی ان ھو الّا وحیٌ یوحیٰ۔ ہمارا پیغمبر ہوائے نفس سے نہیں بولتا وحی سے بولتا ہے تو وحی تو کلام خداوندی ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ زبان تمہاری، کلام ہمارا ہوتا ہے، تمہارا ذاتی کلام بھی تمہارا نہیں زبان تمہاری ہے۔ روشنی ہماری ہے اور چراغ تمہارا ہے جس سے گھر روشن ہوجاتا ہے۔ اور جیسے کہ دوسری جگہ فرمایا گیا: انّ الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔ اے نبی جو تمہارے ہاتھ پر بیعت کررہے ہیں وہ تمہارے ہاتھ پر نہیں اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ ید اللہ فوق ایدیھم۔ اللہ کا ہاتھ سب ہاتھوں کے اوپر ہے۔ تو اس میں وحدت بیان کی گئی ہے، نبی کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہا، نبی کے کلام کو اپنا کلام کہا نبی کے منشاء کو اپنا منشا۔ یہ جب پیدا ہوتا ہے کہ خدائی

زندگی آجاتی ہے۔

تو میں نے پانچ زندگیاں آپ کے سامنے پیش کیں، ایک حیوانی زندگی، ایک انسانی، ایک ایمانی، ایک عرفانی اور ایک وجدانی۔ مگر ان پانچ زندگیوں میں جو دو ابتدائی زندگیاں ہیں وہ مبادی اور سبب کے درجے میں ہیں اور آخر کی زندگی ثمرہ کے درجے میں ہے اور بیچ کی زندگی جس کو میں نے ایمانی زندگی کہا کہ وہ اصل مقصود ہے، زندگی بنانے کیلئے حیوانی بھی ضروری ہے مگر یہ زندگی اصل مقصود نہیں، مقصود ان ساری زندگیوں سے یہ ہے کہ یہ سارے کام رضائے خداوندی کے لئے ہوں۔ اور یہ جو احسانی زندگی ہے کہ منشار کو پالیا اور وجدانی زندگی یعنی فانی ہونا یہ ثمرات کے درجے ہیں۔ اور نتیجہ ہے تو بیچ کی زندگی کے لئے دو نتیجے ہیں اور دو سبب ہیں۔ مقصود اصل بیچ کی زندگی یعنی ایمانی زندگی ہے جس کا نام شریعت اور اتباعِ شریعت ہے۔ اور قانونِ شریعت کی پابندی ہو نہیں سکتی جب تک کہ حیوانی اور انسانی زندگیاں ہم میں نہ ہوں۔ اس واسطے اصل مقصود ایمانی زندگی رہ گئی کہ میرا مرنا جینا اللہ رب العزت کیلئے ہو، اس کے قانون کے تحت ہی ہو۔ اس کو قرآن نے حیاتِ طیّبہ قرار دیا ہے کہ جو شخص ایمان اور عمل صالح اختیار کریگا مرد ہو یا عورت اسے ہم پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔ یہ کیا ہوگی جذبہ پیدا ہوگا اکل حلال کا حرام خوری سے بچے گا جتنا اس سے بچے گا حق تلفی سے بچے گا۔ جتنا حق تلفی سے بچے گا امن کا ذریعہ بنے گا، محبوب القلوب بنے گا۔ مبغوض نہ ہوگا۔ اگر ایک شہر میں سب کے سب حرام چیزوں کو چھوڑ کر خالص اپنے حق پہ آجائے غیر کی حق تلفی نہ کرے تو باہمی محبت اور حسنِ سلوک پیدا ہوگا اور شریعتِ اسلام کے اتباع ہی میں درحقیقت امن ہے، جتنا اس سے ہٹو گے برائی پیدا ہوگی کیونکہ حق تلفیوں سے نفرت اور برائی پیدا ہوتی ہے۔

تو اصل بنیادی چیز جس سے کسی مملکت میں امن و سکون پیدا ہو وہ اتباع ہے انبیاء کا پیروی ہے ان کی لائی ہوئی زندگی کی، اتباع ہے انکی سنتوں کا ـــــ تو اس طرح اکل حلال کی عادت پیدا ہوگی پھر عبادت میں لذت پیدا ہوگی محبت خداوندی کا ذائقہ انسان میں آجائے گا اور اس میں سرشار ہو کر دنیا و مافیہا کی دولتیں ہیچ نظر آئیں گی۔ جب باطن کی دولتیں انسان کو میسر آجائیں تو سب دولتیں ہیچ بن جاتی ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے تین تین ہزار مہمان ہوتے تھے ایک ایک دن میں۔ بڑے بڑے ہال بھر جاتے تھے تو سنجر کے بادشاہ نے یہ پوچھا کہ شیخ کے ہاں مہمانداری زیادہ ہے معلوم نہیں کس طرح خرچ کرتے ہوں گے، اب اس نے اپنے اوپر قیاس کیا حالانکہ وہ اللہ پہ بھروسہ

باقی ص ۳۰ پر

علامہ شمس الحق افغانی مدظلہٗ

مسئلہ ختمِ نبوّت پر ایک محققانہ نظر

مشاہیر امت پر مرزائیوں کی افتراء کی حقیقت

ختمِ نبوّت اور اجماعِ امّت | ابنِ خلدون لکھتے ہیں کہ اس امت میں پہلا اجماع دعویٰ نبوّت کی وجہ سے مسیلمہ کذاب کے کفر و قتل پر ہوا اور اسکی دیگر برائیاں صحابہ کو اس کے قتل کے بعد معلوم ہوئیں اور اسی طرح کا اجماع بلا فصل قرناً بعد قرن مدعی نبوّت کے کفر و ارتداد اور قتل پر جاری رہا اور تشریعی اور غیر تشریعی نبوّت کی کوئی تفصیل نہیں پوچھی گئی۔ خاتم النبیین للشیخ الانور ص۳۳ و ص۳۴ علامہ قاری شرح فقہ اکبر مجتبائی ص۲۰۲ میں لکھتے ہیں: دَعْوَى النُّبُوَّةِ بَعْدَ نَبِيِّنَا كُفْرٌ بِالْاِجْمَاعِ۔ اسی طرح عام کتب تفسیر و شروح حدیث اور کتبِ کلام میں مدعی نبوّت کے کفر پر اجماعِ امت کی تصریح کی گئی ہے۔

ختمِ نبوّت اور درایت | اللہ کے سوا ہر چیز کے لئے ابتداء اور انتہا ہوتی ہے۔ نبوّت کے لئے بھی ابتداء اور انتہاء کا ہونا ضروری ہے۔ انسانی زندگی کا ابتدائی زمانہ طفولیت کا تھا۔ بتدریج انسانی عقل میں ترقی ہوتی گئی۔ تو جس طرح عہدِ طفولیت کا لباس طفل کی بدنی ترقی کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے اسی طرح عقل و شعورِ انسانی کی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی لباس یعنی شریعت کا بدل جانا بھی ضروری تھا۔ اس لئے مختلف نبوّتیں اور شریعتیں آتی رہیں۔ حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام کے زمانے تک عقل و شعورِ انسانی کی نشو و نما مکمل ہوئی تو ضرورت تھی کہ اس وقت انسان کو کامل شریعت اور نبوّت کی نعمت عطاء کی جاتی جس کا قرآن نے اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ کا اعلان کرکے شریعتِ کاملہ کی عطا کردگی کا اعلان کیا اور اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ میں حفاظتِ دین و شریعت کا بھی اعلان ہوا تاکہ مستقبل میں نوعِ انسانی کسی جدید نبی کی آمد سے بے نیاز ہو کر اس کے انتظار میں نہ رہے کہ نبی کے آنے کا مقصد یا تکمیلِ دین ہے یا حفاظتِ دین۔

وہ دونوں مکمل ہو چکے، باقی تبلیغ، تو یہ امت اور علماء کا کام ہے، جس کے لئے نبی کی ضرورت نہیں جیسے قرآن میں ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ اور وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ اور یہی فریضہ تبلیغ امت سے صرف شیخ معین الدینؒ نے بقول ڈاکٹر اسمتھ نوّے لاکھ ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ ملاحظہ ہو نقش حیات اور تاریخ اسلام بھی اس کی شاہد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال کے بعد تقریباً لاکھ سوا لاکھ مسلمان چھوڑے لیکن آج ستر" کروڑ مسلمان ہیں جو امت کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ یہ کس قدر نامعقول امر ہے کہ امت کی کوششوں سے جو ستر" کروڑ مسلمان پیدا ہوئے ہیں اس کے بعد ایک ایسے نبی کی آمد ضروری ہے جو ان ستر کروڑ مسلمانوں کی تکفیر کر کے صرف اپنے چند مریدوں میں اسلام کی وسعت کو منحصر کر دے گویا اس کی آمد کفار کو مسلمان بنانے کی بجائے مسلمانوں کو کافر بنانے کیلئے تھی ——۔

مرزائی وساوس کا جواب نبوت جیسا بنیادی مسئلہ جو کفر و ایمان کے درمیان ایک حد فاصل کی حیثیت رکھتا ہے، مرزائیوں نے جب اجراء نبوت کو قرآن، احادیث، اجماع امت، صحابہ، تابعین، فقہا، متکلمین، محدثین کے خلاف پایا تو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے تحت چند مصنفین کی مبہم عبارات کا سہارا لینا شروع کیا۔ اگرچہ دوسری جگہ ان حضرات کی صریح عبارات نے قادیانی استدلال کا بھانڈا پھوڑ دیا تاہم مرتا کیا نہ کرتا کے تحت جو کچھ اسی قسم کے دلائل یا وساوس ان کے ہیں ہم ان کا جواب بھی دینا چاہتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ پر مرزائی افتراء مرزائی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ قُولُوا إِنَّهُ خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَلَا تَقُولُوا لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ۔ یہ درمنثور تحت آیت خاتم النبیین اور تکملہ مجمع البحار ص۸۵ پر ہے۔ یہاں تلبیس کر کے باقی عبارت کو انہوں نے کاٹ دیا۔ یہ لفظ صدیقہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا: أَصْلُهَا فِي حَدِيثِ عِيسَى أَنَّهُ يَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ وَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَيَزِيدُ فِي الْحَلَالِ أَيْ يَزِيدُ فِي حَلَالِ نَفْسِهِ بِأَنْ يَتَزَوَّجَ وَيُولَدَ لَهُ وَكَانَ لَمْ يَتَزَوَّجْ قَبْلَ رَفْعِهِ إِلَى السَّمَاءِ فَزَادَ فِي الْهُبُوطِ فِي الْحَلَالِ فَحِينَئِذٍ يُؤْمِنُ كُلُّ أَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَيَتَيَقَّنُ أَنَّهُ بَشَرٌ وَعَنْ عَائِشَةَ قُولُوا إِنَّهُ خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَلَا تَقُولُوا لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ۔ اس پوری عبارت سے معلوم ہوا کہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ